اسرائیل کیسے قائم ہوا؟

انجینئر نوید احمد

پیشکش pdf format از www.hamditabligh.net

اسرائیل کا قیام 14 رمئی 1948ء کو عمل میں آیا۔ 25 اکتوبر 1947ء کو جب کہ ابھی قیامِ اسرائیل کے منصوبہ کو پیش کیا جا رہا تھا، بانیٔ پاکستان قائداعظم نے رائٹر نیوز ایجنسی کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:

''فلسطین کے بارے میں ہمارے موقف کی وضاحت اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے سربراہ چودھری ظفراللہ خان نے کر دی ہے۔ مجھے اب بھی یہ امید ہے کہ تقسیم (فلسطین) کا منصوبہ مسترد کر دیا جائے گا ورنہ ایک خوفناک چپقلش کا شروع ہونا ناگزیر اور لازمی امر ہے۔ یہ چپقلش صرف عربوں اور منصوبہ تقسیم نافذ کرنے والوں کے درمیان نہ ہوگی بلکہ پوری اسلامی دنیا اس فیصلہ کے خلاف عملی بغاوت کرے گی کیوں کہ ایسے فیصلے (اسرائیل کے قیام) کی حمایت نہ تاریخی اعتبار سے کی جاسکتی ہے اور نہ ہی سیاسی اور اخلاقی طور پر۔ ایسے حالات میں پاکستان کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ عربوں کی مکمل اور غیر مشروط حمایت کرے اور خواہ مخواہ کے اشتعال اور دست درازیوں کو روکنے کے لئے جو کچھ اس کے بس میں ہے پورے جوش وخروش اور طاقت سے بروئے کار لائے۔''

قائداعظم کے الفاظ کی شدت کی وجہ سمجھنے کے لئے ہمیں اسرائیل کے قیام کے پسِ منظر کو سمجھنا ہوگا۔ اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے اور یہ دراصل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا۔ اس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں سے جو نسل جاری ہوئی اسے قرآنِ حکیم میں بنو اسرائیل یا یہود کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہود کا اولین مسکن ارضِ فلسطین تھا۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ کو جب مصر میں ایک مقتدر منصب حاصل ہو گیا تو یہود فلسطین سے ہجرت کر کے مصر منتقل ہو گئے۔ تقریباً چار سو سال بعد حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں یہود مصر سے ہجرت کر کے صحرائے سینا میں آ گئے۔ صحرائے سینا میں ان پر اللہ تعالیٰ نے من وسلویٰ، بادلوں کے مسلسل سائے اور ایک چٹان سے پانی کے بارہ چشمے جاری کر کے مادی انعامات کیے اور تورات کی صورت میں ہدایت یعنی روحانی نعمت بھی عطا فرمائی۔ اُس وقت ارضِ فلسطین پر ایک مشرک قوم 'عمالقہ' قابض تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے یہود کو جہاد کا حکم دیا تا کہ ارضِ فلسطین کو عمالقہ سے آزاد کرایا جائے اور وہاں تورات کی تعلیمات پر مبنی عادلانہ نظام قائم کیا جائے۔ یہود نے جہاد سے انکار کر دیا اور سزا کے طور پر انہیں چالیس سال تک صحرا میں بھٹکنے کی سزا دی گئی۔ بعد ازاں حضرت یوشع بن نونؑ کی قیادت میں یہود کی صحرا میں پل کر جوان ہونے والی نسل نے جہاد کیا اور فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یہ قبضہ عارضی ثابت ہوا اور مشرکین نے کچھ عرصہ بعد یہود کو فلسطین سے نکال باہر کیا۔ اب یہود نے حضرت طالوت کی قیادت میں منظّم ہو کر دوبارہ مشرکین سے جہاد کیا اور 1020 ق م میں پہلی بار فلسطین پر یہود کی مضبوط حکومت قائم ہو گئی۔ حضرت طالوت کے بعد حضرت داؤدؑ اور پھر حضرت سلیمانؑ منصبِ خلافت پر مامور ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس میں ہیکلِ سلیمانی تعمیر فرمایا جسے یہود کا قبلہ قرار دے دیا گیا۔ اس سے قبل تمام انبیاء کا قبلہ خانہ کعبہ تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد یہود میں اختلافات پیدا ہو گئے اور فلسطینی ریاست دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ شمالی ریاست کا نام اسرائیل تھا اور جنوبی ریاست کا نام یہودا۔ اسرائیل پر 721 قبلِ مسیح میں ایک مشرک قوم آشوریوں نے قبضہ کر لیا اور یہودا کو 587 ق مسیح میں بابل کے فرماں رواں بخت نصر نے تباہ کر دیا۔ بخت نصر نے حضرت سلیمانؑ کی قائم کردہ مسجد ہیکلِ سلیمانی کو شہید کر دیا، یہود کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا اور بقیہ کو بابل میں لے جا کر قید کر دیا۔ تقریباً 150 برس بعد ایران کے بادشاہ کیخورس نے جنہیں قرآن ذوالقرنین کہتا ہے، یہود کو بابل سے آزاد کرایا۔ یہود دوبارہ ارضِ فلسطین میں آئے اور حضرت عزیرؑ کی قیادت میں دوبارہ منظّم ہوئے ہیکلِ سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا گیا اس کے بعد یہود یونانیوں کے ساتھ مسلسل برسرِ پیکار

رہے تا آنکہ 175 قبلِ مسیح میں یہود کو فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی اور انہوں نے ایک عظیم سلطنت قائم کی جو تاریخ میں 'مکابی سلطنت' کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی آمد پر یہود کی اکثریت نے ان کی نبوت کو تسلیم نہ کیا اور ان کے پیش کردہ معجزات کو جادو قرار دیا۔ جادو کرنا چوں کہ شریعت میں کفر ہے لہٰذا حضرت عیسیٰؑ کو مرتد قرار دے کر قتلِ مرتد کی سزا کے طور پر سولی دینے کی کوشش کی۔ یہود کے اس جرم کی سزا یہ ملی کہ 70ء میں رومیوں نے ارضِ فلسطین پر قبضہ کرلیا، ہیکلِ سلیمانی کو دوسری بار شہید کردیا، یہود کی ایک بڑی تعداد کو قتل کیا اور بقیہ کو ارضِ فلسطین سے جلاوطن کردیا۔ رومی ریاست نے بعد ازاں بحیثیتِ مجموعی عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس پر حملہ کیا تو عیسائیوں نے پرامن طور پر ایک معاہدے کے نتیجہ میں بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کردیا۔ معاہدے میں عیسائیوں نے طے کرایا کہ یہود بیت المقدس میں آباد نہ ہوسکیں گے، البتہ انہیں یہاں آکر اپنے مقدس مقامات کی زیارت کی اجازت ہوگی۔ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اس معاہدے پر عمل جاری رہا۔ آخری عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید خان کو یہود نے اس شرط پر بڑے مالی تعاون کی پیشکش کی کہ وہ یہود کو بیت المقدس میں آباد ہونے کی اجازت دے دیں۔ سلطان عبدالحمید نے اس پیشکش کو مسترد کردیا۔ جب بیت المقدس پر برطانیہ کا قبضہ ہوا تو 1917ء میں اعلانِ بالفور کے ذریعہ یہود نے بیت المقدس میں آباد ہونے کی اجازت حاصل کرلی۔ یہود نے فلسطینیوں سے منہ مانگے داموں جائیدادیں خریدیں اور جنہوں نے اپنی جائیدادیں فروخت کرنے سے انکار کیا انہیں برطانوی حکومت کے زیرِ سرپرستی زبردستی بے دخل کردیا گیا۔ دستاویزات کے ذریعہ ثابت کیا گیا کہ فلاں جائیداد دو ہزار سال قبل ہمارے فلاں بزرگ کے نام تھی جس پر آج کوئی فلسطینی قابض ہے۔ برطانوی حکومت نے اس طرح کے دعوے قبول کیے اور یوں یہود فلسطین میں آباد ہوتے چلے گئے۔ یہ دھاندلی مسلسل جاری رہی، یہود کو باہر سے لاکر فلسطین میں آباد کیا جاتا رہا جبکہ انہیں اٹھارہ سو برس قبل یہاں سے نکال دیا گیا تھا اور بالآخر برطانیہ اور امریکہ کی ملی بھگت سے 1948ء میں ایک یہودی ریاست اسرائیل کے نام سے قائم کردی گئی۔ یہودیوں کو جب برطانیہ کے زیرِ سرپرستی فلسطین میں ناجائز طور پر آباد کیا جارہا تھا تو اس پر اقبال نے کہا تھا :

ہے ارضِ فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
اسپین پہ کیوں حق نہیں پھر اہلِ عرب کا

اسرائیل کے اس طرح قیام کو کوئی بھی باضمیر انسان نہ جائز قرار دے گا اور نہ ہی تسلیم کرے گا۔ یہاں تک کہ یہود کے خالصتاً مذہبی عناصر بھی اسرائیل کے اس طرح سے قیام کو جائز نہیں سمجھتے۔ معروف یہودی اسکالر ڈاکٹر ایلمر بلجر نے اپنے مقالے ''کیا اسرائیل بائیبل کی پیشینگوئیوں کی تکمیل ہے'' میں لکھا ہے کہ :

''یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کوئی پکا مذہبی یہودی یہ نہیں مانتا کہ موجودہ اسرائیلی ریاست اس طریقہ ٔ عمل سے وجود میں آئی ہے جو بائیبل کے احکامات سے ذرہ بھر بھی مطابقت رکھتا ہو۔''

بلاشبہ حق، عدل اور انصاف کا کوئی اصول اسرائیل کے قیام کی پشت پر نہیں ہے۔ اب اگر ہم اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات کرتے ہیں تو گویا یہ ایک ظلم اور دھاندلی کو سند عطا کرنے کا عمل ہے۔ ابن الوقتی کا تقاضا ہے کہ وقت کی سپر پاور امریکہ کے دباؤ میں آکر اسرائیل کو تسلیم کرلیا جائے لیکن اصول پرستی کا تقاضا ہے کہ استحصال اور جبر کے سامنے ہرگز نہ گردن جھکائی جائے۔ فیصلہ ترا تیرے ہاتھ میں ہے!